© rasailojaraid.com

محترم لطیف الفت(اسلام آباد)

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

۱۹۱۲ ء کا زمانہ تھا۔ الہلال کی دعوت نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک پیغام بیداری دیکر خواب غفلت سے جھنجھوڑ ڈالا تھا نیند کے ماتے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے۔ ایک انقلابی انگڑائی لی اور کلکتہ سے بلند ہونے والی صدا پر گوش بَر آواز ہو گئے۔ یہ صدا دلنواز تو تھی لیکن اس کا مکمل ادراک ہر ایک کے بس کا روگ نہ تھا۔ الہلال کی زبان ابوالکلام کی زبان تھی جسے پوری طرح سمجھنا تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لئے ہی ممکن تھا۔ وقت اس بات کا تقاضا کررہا تھا کہ اس پیغام کا کوئی ترجمان عوام تک پہنچے جو ابوالکلام کی انشاء پردازانہ عظمت کا صحیح شعور نہ رکھنے کے باعث اس کی روح تک نہ پہنچ سکتے تھے۔

اسی دور میں امرتسر کے نسبتاً چھوٹے شہر سے ایک للکار گونجی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم خطیب کے روپ میں برصغیر کے طول وعرض پر چھا گئی۔ ایک بوریا نشین طالب علم نے یک بیک اپنے غیر معروف سے مدرسے اور ایک معمولی مسجد کی امامت کی حدود سے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی اقلیم پر حکومت کرنے کی طرف قدم بڑھایا۔ کم وبیش چالیس برس تک قریہ قریہ اور بستی بستی میں آزادی کی پکار بلند کی اور مسلمانوں کے دل میں جذبۂ حریت بیدار کرنے میں کسی بھی واحد شخصیت سے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔ پڑھے لکھوں نے سنا تو جھوم جھوم گئے۔ عوام نے سنا تو برستی گولیوں اور چلتی لاٹھیوں کے سامنے سینے تان دیئے۔ انگریزی استعمار کے ماتھے پر شکن نمودار ہوئی اور ہر حریت پسند کی طرح اس شخصیت کو بھی مرحلۂ دارورسن سے روشناس کر گئی اور اس کے بعد یہ سعادت اس کی زندگی کا اہم حصہ بن گئی۔

۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو یہ للکار جو بجلی کی کڑک اور تلوار کی چمک کے ساتھ ساتھ پھولوں کی صباحت اور شبنم کی لطافت سے عبارت تھی ملتان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی اور لاکھوں اشکبار انسانوں نے اسے منوں مٹی کے نیچے دفن کردیا۔

یہ للکار سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تھی جو بلاشبہ اس صدی کے عظیم خطیب تھے۔ اور جن کی ذات گرامی پر کسی بھی قوم کو فخر ہوتا جو اس نفس پرستی اور خود غرضی کے دور میں ایثار وقربانی، فقرو بے نیازی اور خدا پرستی اور تقویٰ کا ایک ایسا نمونہ تھے، جو عہد نبوی کے مسلمانوں کے کردار کی بازگشت معلوم ہوتا تھا۔ اگر ہندوستان میں جذبۂ حریت اور ناموس رسالت کے محافظین کے ایثار کی تاریخ لکھی جائے تو شاہ جی کا نام نامی سرفہرست آتا ہے۔ اس دور میں کسی مقصد سے لگن اور اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دینے کا کوئی مکمل نمونہ اگر ہمارے سامنے آتا ہے تو وہ شاہ صاحب ہی کی ذات گرامی ہے۔ ان پر کون سی مصیبت نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آئی اور دنیوی تکالیف کا کون سا ایسا مرحلہ ہے جس میں سے وہ نہ گزرے۔ لیکن کہیں بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا ہوئی۔ نہ فاقہ مستی ان کے لئے باعث رکاوٹ بن سکی اور نہ قید و بند کی صعوبتوں نے انہیں کبھی اپنے مقاصد سے روکنے میں کامیابی حاصل کی۔

یوں تو ہندوستان میں بیسیوں لیڈر گزرے ہیں اور ان میں سے کسی کے مقام سے بھی انکار کرنا غلط ہو گا۔ لیکن یہ سعادت کسی کے حصے میں نہیں آئی کہ کلکتہ سے پشاور اور کشمیر سے راس کماری تک اسے ایک ہی جیسے احترام اور خلوص سے سنا گیا ہو۔ نیز دیہات کے عوام میں آزادی کی لہر دوڑانے میں جو کردار شاہ جی نے ادا کیا ہے اس کا بھی کوئی جواب ہندوستان کے قائدین میں نہیں ملتا۔

شاہ جی حق گوئی کی ایک مثال تھے۔ انہوں نے جس چیز کو درست سمجھا اسے برسر منبر بھی کہا اور پا بہ زنجیر ہو کر بھی کہا۔ جب برطانوی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا انہوں نے انگریزی استعمار کو للکارا۔ یہ وہ دور تھا جب بڑے بڑے لیڈر بھی مکمل آزادی کا نام نہ لیتے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے موقعہ پر انہوں نے اس وقت انگریزوں سے عدم تعاون اور بھرتی نہ دینے کا اعلان کیا جب سوراج اور آزادی کی مالا جپنے والی ایشیا بھر کی عظیم جماعت کانگرس بھی سوچ و بچار میں مبتلا تھی۔

شاہ جی اپنی ذات میں ایک تحریک تھے۔ وہ تنہا اک عوامی تحریک کو جنم دے سکتے تھے۔ ڈوگرہ شاہی کے خلاف تحریک کشمیر اور تحریک تحفظ ختم نبوت ان کی خطابت کا ایک اعجاز ہیں وہ جس مسئلے کو چاہتے عوام کے دل کی آواز بنا سکتے تھے۔ انہیں اس بات پر قدرت حاصل تھی کہ سامعین کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب کر لیں۔ وہ اگر اپنے مخاطبین سے چٹانوں سے ٹکرا جانے کو کہتے تو وہ بلا جھجک کر گزرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ جو لوگ گھر سے شاہ جی کا ایک لفظ نہ سننے کی نیت سے آئے، جلسہ میں اپنے جیب و داماں کی آخری متاع شاہ جی پر نثار کر کے گئے۔ ان کی تقریر کی کیفیت الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ پوری جلسہ گاہ کو قرون اولیٰ کے ماحول میں لے جاتے۔ ان کی جادو کر دینے والی شخصیت جب اسٹیج پر نمودار ہوتی تو دل خراج عقیدت پیش کرتے اور جب حجازی لہجے میں گھنٹیوں کی سی آواز میں خطبۂ مسنون پڑھتے تو بدترین مخالف بھی موم ہو جاتے اور پھر چند لمحوں میں یہ کیفیت ہوتی کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ سمجھا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

شاہ جی اگر کسی زندہ قوم میں پیدا ہوتے تو ان کے نام پر متعدد ادارے وجود میں آتے اور انکے مجسمے چوراہوں کی زینت بنتے لیکن وہ جس قوم میں پیدا ہوئے وہ لعل و جواہر کو مٹی میں ملا دینے والی قوم ہے۔ اس میں جوہر قابل کی شناخت ہے نہ قدر۔ ورنہ وہ جس مقام کے قائد تھے اگر اسے پہچانا جاتا تو وہ اس کیفیت میں زندگی بسر نہ کرتے جس طرح کے شب و روز ان پر بیت گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باوجود اس بات کے کہ شاہ جی کو وہ مقام جس کے وہ مستحق تھے نہ مل سکا اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ شاہ جی جن مقاصد کے لئے برسرپیکار رہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ قبل ختم نبوت کے بارے میں نہ ہمارا عوامی شعور بیدار تھا اور نہ ہی اس کی اہمیت واضح تھی لیکن آج اس بنیادی عقیدے کے بارے میں پاکستان کا کوئی مسلمان دغدغے میں نہیں اور جب تک ختم نبوت کا عقیدہ زندہ ہے۔شاہ جی کا نام زندہ ہے۔

ہر گز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دامِ ما

شاہ جی کے خلوص سے ان کے دشمنوں کو بھی انکار ممکن نہیں لیکن ان کے کردار کی عظمت کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ عوام میں جو مقبولیت اپنے دور میں انہیں نصیب ہوئی اور جس چاہت اور اشتیاق سے عوام نے انہیں سنا اور انکے اشاروں پر جان و مال کی قربانیاں دیں وہ کسی اور لیڈر کو نصیب نہ ہو سکیں۔ اس کے باوجود شاہ صاحب کو غرور و تکبر چھو نہ گیا تھا۔ انہوں نے پیشہ ور سیاستدانوں اور نام نہاد مشائخ وعلماء کی طرح اپنے گردو پیش جاہ و حشم یا استکبار کا کوئی اہتمام نہیں کیا۔ اسکے بالکل برعکس وہ انکسار، تواضع اور حلم کا پیکر تھے۔ ادنیٰ رضا کار اور وزیر و امیر قلندر کی بارگاہ میں برابر کا درجہ رکھتے تھے۔ اپنے مرشد حضرت عبدالقادر رائے پوری مدظلہ (۱) کے ارشاد کے بموجب "جب لاکھوں عوام ان کی تقاریر پر سر دھن رہے ہوتے تھے وہ خدا سے دعا مانگ رہے ہوتے کہ پروردگار میرا کوئی ایک لفظ قبول کرلیجیو۔" اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اثر رکھتا تھا کیونکہ خلوص مقصد میں ڈوبا ہوا ہوتا تھا نہ کہ محض لذت بیان کی خاطر ارشاد ہوتا تھا۔

ان کے سیاسی مقام سے قطع نظر محض زبان کے نقطۂ نظر سے وہ اردو کے سب سے بڑے خطیب ہونے کی بناء پر ہماری دلی عزت کے مستحق ہیں ان کا ماتم پوری قوم کا ماتم ہے۔ اس لئے کہ سیاست دانوں کی صفوں میں وہ آزادی کے عظیم مجاہد اور مسلمانوں کے صف اوّل کے قائدین میں سے تھے۔ مذہبی نقطہ نظر سے وہ ختم نبوت کے شیدائی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں میں سے تھے۔ شعر و ادب میں ان کے مقام کا اندازہ ان کے مرحوم دوستوں، سالک و پطرس ہی کو ہو سکتا ہے۔ علماء میں ان کا مقام اس سے ظاہر ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ان کی بیعت کی اور انہیں امیر شریعت کا لقب دیا۔ مختصر یہ کہ

عشق کوئی ہمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ہے

کوہ رہیں اب نالاں برسوں لیکن اب فرہاد نہیں

---

(۱) حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری تب حیات تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۶۲ء میں ہوا۔ لطیف الفت صاحب کا یہ تأثراتی مضمون شاہ جی کے انتقال ۱۹۶۱ء کے بعد روزنامہ امروز لاہور کے خاص نمبر میں شائع ہوا تھا۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com